ہے۔ اور یہ لوگ نمازیں نہیں پڑھتے۔ روزے نہیں رکھتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر وُہ اِس بدظنی سے بچتے تو اُن کو جھوٹ کی لعنت کے نیچے نہ آنا پڑتا اور وُہ اِس سے بچ جاتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بُری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور صدق اور راستی سے دُور پھینک دیتی ہے اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے صِدّیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بدظنّی سے بہت ہی بچے۔ اور اگر کسی کی نسبت کوئی سُوءِظن پیدا ہو۔ تو کثرت کے ساتھ استغفار کرے۔ اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرے تاکہ اس معصیت اور اس کے بُرے نتیجہ سے بچ جائے جو اُس بدظنّی کے پیچھے آنے والا ہے۔ اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

بدظنّی کا انجام جہنم ہے

غرض بدظنّی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ یہانتک لکھا ہے کہ جس وقت دوزخی لوگ جہنّم میں ڈالے جائیں گے تو اللہ تعالےٰ اُن سے یہی فرمائے گا کہ تم نے اللہ تعالےٰ پر بدظنّی کی۔ بعض لوگ اِس خیال کے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خطاکاروں کو معاف کر دے گا اور نیکوکاروں کو عذاب دیگا۔ ایسا خیال بھی اللہ تعالےٰ پر بدظنّی ہے۔ اس لئے کہ اُس کی صفتِ عدل کے سراسر خلاف ہے۔ گویا نیکی اور اُس کے نتائج کو جو قرآن شریف میں اس نے مقرر فرمائے ہیں بالکل ضائع کر دینا اور بیہودہ ٹھہرانا ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ بدظنّی کا انجام جہنّم ہے۔ اس کو معمولی مرض نہ سمجھو۔ بدظنّی سے ناامیدی اور ناامیدی سے جرائم اور جرائم سے جہنّم ملتا ہے۔ بدظنّی صدق کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے اس لئے تم اِس سے بچو۔ اور صدّیق کے کمالات حاصل کرنے کے لئے دُعائیں کرو۔

حضرت ابوبکرؓ نے جو صدق دکھایا اُس کی نظیر ملنی مُشکل ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صِدّیق کا خطاب دیا ہے

تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپؓ میں کیا کیا کمالات تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہے۔ جو اس کے دل کے اندر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ نے جو صدق دکھایا۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں جو شخص صدیق کے کمالات حاصل کرنے کی خواہش کرے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابوبکری خصلت اور فطرت کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو مجاہدہ کرے اور پھر حتی المقدور دُعا سے کام لے جبتک ابوبکری فطرت کا سایہ اپنے اُوپر ڈال نہیں لیتا۔ اور اسی رنگ میں رنگین نہیں ہو جاتا۔ صدیقی کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔

ابوبکری فطرت کیا ہے؟

ابوبکری فطرت کیا ہے؟ اس پر مفصل بحث اور کلام کا یہ موقعہ نہیں۔ کیونکہ اس کے تفصیلی بیان کے لئے بہت وقت درکار ہے۔ میں مختصراً ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ شام کی طرف سوداگری کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے۔ تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ایک شخص آپؓ سے ملا۔ آپؓ نے اس سے مکّہ کے حالات دریافت فرمائے اور پُوچھا کہ کوئی تازہ خبر سُناؤ۔ جیسا کہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جب انسان سفر سے واپس آتا ہے تو راستہ میں اگر کوئی اہلِ وطن مل جائے تو اس سے اپنے وطن کے حالات دریافت کرتا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ نئی بات یہ ہے کہ تیرے دوست محمدؐ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ آپؓ نے یہ سُنتے ہی فرمایا۔ کہ اگر اس نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ تو بلاشک وُہ سچا ہے۔ اسی ایک واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؓ کو کس قدر حسن ظن تھا۔ مُعجزے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مُعجزہ وہ شخص مانگتا ہے جو مدّعی کے حالات سے ناواقف ہو۔ اور جہاں غیریت ہو۔

اور مزید تسلی کی ضرورت ہو۔ لیکن جس شخص کو حالات سے پوری واقفیت ہو۔ تو اُسے معجزہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہی آنحضرتؐ کا دعوٰی نبوت سُنکر ایمان لے آئے۔ پھر جب مکہ میں پہنچے تو آنحضرتؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر دریافت کیا۔ کہ کیا آپؐ نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہاں یہ درست ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ آپؐ گواہ رہیں۔ کہ میں آپؐ کا پہلا مصدق ہوں۔ آپؓ کا ایسا کہنا محض قول ہی قول نہ تھا۔ بلکہ آپؓ نے اپنے افعال سے اُسے ثابت کر دکھایا اور مرتے دم تک اُسے نبھایا۔ اور بعد مرنے کے بھی ساتھ نہ چھوڑا۔

درحقیقت اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر اُن میں مطابقت نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔ اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ[1] یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنی جانوں کو اس نیکی کے امر کا مخاطب نہیں بناتے۔ بلکہ بھول جاتے ہو۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[2]۔ مومن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ بزدلی اور نفاق ہردو مومن سے دُور رہتے ہیں۔

صحابہؓ کے نقش قدم پر چلو

ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست اور مطابق رکھو۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں کر کے دکھا دیا۔ ایسا ہی تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے صدق اور وفا کے نمونے دکھاؤ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ پر غور کرو کہ جب دشمن قریش ہر طرف سے شرارت پر تلے ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ وہ زمانہ بڑا ابتلا کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حق رفاقت ادا کیا۔ اس کی

[1] البقرۃ: ۴۵ [2] الصف: ۳

نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ طاقت اور قوت بجز صدق ایمان کے ہرگز نہیں آ سکتی۔ آج جسقدر تم لوگ بیٹھے ہوئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ سوچو کہ اگر اس قسم کا کوئی ابتلا ہم پر آجائے تو کتنے ہیں جو ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ کی طرف سے ہی یہ تفتیش شروع ہو جائے کہ کس کس شخص نے اس شخص کی بیعت کی ہے تو کتنے ہونگے جو دلیری کیساتھ یہ کہدیں کہ ہم مبائعین میں داخل ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات سُنکر بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں سُن ہو جائیں گے اور ان کو فوراً اپنی جائدادوں اور رشتہ داروں کا خیال آجائیگا کہ اُن کو چھوڑنا پڑے گا۔

مشکلات کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے

مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے جبتک انسان عملی طور پر ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے۔ محض قول سے کچھ نہیں بنتا اور بہانہ سازی اُس وقت تک دُور ہی نہیں ہوتی۔ عملی طور پر جب مصیبت کا وقت ہو۔ تو اس وقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے حواری اس آخری گھڑی میں جو اُن کی مصیبت کی گھڑی تھی۔ انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے تو مُنہ کے سامنے ہی آپ پر لعنت کر دی۔

حقیقت میں یہ بڑی غیرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا۔ کہ جب مسلمؓ نے ۷ ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسینؓ کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی۔ تو سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔

عمل ایمان کا زیور ہے

اس قسم کے واقعات بہت ڈراتے ہیں۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو وزن کرو۔ عمل

ایمان کا زیور ہے۔ اگر انسان کی عملی حالت درست نہیں ہو تو ایمان بھی نہیں ہے مومن ایک خوبصورت ہوتا ہے جس طرح ایک خوبصورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے اسی طرح پر ایک ایماندار کو اس کا عمل نہایت خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اگر وُہ بد عمل ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اُس کو اعمال میں ایک خاص لذت آتی ہے۔ اور اُس کی معرفت کی آنکھ کھُل جاتی ہے۔ وُہ اس طرح نماز پڑھتا ہے۔ جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں سے اسے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجلس سے نفرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسُول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔ ایسا ایمان اُسے حضرت مسیحؑ کی طرح صلیب پر چڑھ جانے سے بھی نہیں روکتا۔ وُہ خدا کے لئے اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں بھی پڑ جانے سے راضی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی رضا کو رضائے الٰہی کے ماتحت کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے اُس کا محافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور اُسے صلیب پر سے بھی زندہ اتار لیتا ہے اور آگ میں سے بھی صحیح و سلامت نکال لیتا ہے۔ مگر ان عجائبات کو وُہی لوگ دیکھا کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ پر پُورا ایمان رکھتے ہیں۔

غرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدق اس مصیبت کے وقت ظاہر ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا۔ گو بعض کفّار کی رائے اخراج کی بھی تھی۔ مگر اصل مقصد اور کثرت رائے آپؐ کے قتل پر تھی۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق اور وفا کا وہ نمونہ دکھلایا۔ جو ابدالآباد تک کے لئے نمونہ رہیگا۔ اس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتخاب ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اعلیٰ وفاداری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ دیکھو۔ اگر وائسرائے ہند کسی شخص کو کسی خاص کام کے لئے انتخاب کرلے تو اُس کی رائے صائب اور بہتر ہوگی

یا ایک چوکیدار کی۔ ماننا پڑیگا کہ وائسرائے کا انتخاب بہرحال موزوں اور مناسب ہوگا کیونکہ جس حال میں کہ وُہ سلطنت کی طرف سے نائب السلطنت مقرر کیا گیا ہے اور اس کی وفاداری، فراست اور پختہ کاری پر سلطنت نے اعتماد کیا ہے۔ تب ہی تو زمام سلطنت اُس کے ہاتھ میں دی ہے۔ پھر اس کی صائب تدبیری اور معاملہ فہمی کو پس پُشت ڈال کر ایک چوکیدار کے انتخاب اور رائے کو صحیح سمجھ لینا نامُناسب امر ہے۔

آنحضرتؐ نے ہجرت کیوقت حضرت ابوبکرؓ کو کیوں انتخاب کیا

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کا تھا۔ اس وقت آپکے پاس ۷۰ - ۸۰ صحابہؓ موجود تھے۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر ان سب میں سے آپؐ نے اپنی رفاقت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی انتخاب کیا۔ اس میں ستر کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ نبی خدا تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا فہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف اور الہام سے بتا دیا۔ کہ اس کام کے لئے سب سے بہتر اور موزوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ ابوبکرؓ اس ساعتِ عُسرہ میں آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا تھا۔ حضرت مسیحؑ پر جب اس قسم کا وقت آیا۔ تو اُن کے شاگرد ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ایک نے لعنت بھی کی۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک نے پُوری وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا پُورا ساتھ دیا۔ اور ایک غار میں جس کو غار ثور کہتے ہیں۔ آپؐ جا چھُپے۔ شریر کفّار جو آپؐ کی ایذارسانی کے لئے منصوبے کر چکے تھے۔ تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ اب تو یہ بالکل سر پر ہی آپہنچے ہیں۔ اور اگر کسی نے ذرا نیچے نگاہ کی۔ تو وُہ دیکھ لیگا اور ہم پکڑے جائینگے اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[1]۔ کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس لفظ پر غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ ملاتے

[1] التوبہ: ۴۰

ہیں چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ مَعَنَا میں آپ دونو شریک ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پلہ پر آنحضرتؐ کو اور دوسرے پر حضرت صدیقؓ کو رکھا ہے۔ اس وقت دونو ابتلا میں ہیں۔ کیونکہ یہی وُہ مقام ہے۔ جہاں سے یا تو اسلام کی بنیاد پڑنے والی ہے یا خاتمہ ہو جانے والا ہے۔ دشمن غار پر موجود ہیں۔ اور مختلف قسم کی رائے زنیاں ہو رہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غار کی تلاشی کرو۔ کیونکہ نشان پا یہاں تک ہی آکر ختم ہو جاتا ہے۔ . . . .

. . . . لیکن اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا گذر اور دخل کیسے ہوگا۔ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے۔ کبوتر نے انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کی آوازیں اندر پہنچ رہی ہیں۔ اور آپ بڑی صفائی سے اُن کو سُن رہے ہیں۔ ایسی حالت میں دشمن آئے ہیں کہ وُہ خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دیوانے کی طرح بڑھتے آئے ہیں۔ لیکن آپ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپ اپنے رفیق صادق صدیقؓ کو فرماتے ہیں۔ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔[1] یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا۔ کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں۔ اشارہ سے کام نہیں چلتا باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں۔ اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس امر کی پرواہ نہیں کی گئی۔ کہ دشمن آواز سُن لیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پُورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے لئے تو یہ نمُونہ کافی ہے۔ . . . .

. . . . . . ابوبکر صدیقؓ کی شجاعت کے لئے ایک دوسرا گواہ اس واقعہ کے سوا اور بھی ہے۔

آنحضرتؐ کی رحلت کے وقت حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت

جب آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر نکلے۔

[1] التوبہ : ۴۰

کہ اگر کوئی کہیگا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا ہے تو میں اسے قتل کردوں گا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کلام کیا اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] یعنی محمد بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی ہیں اور آپ سے پہلے جسقدر نبی ہو گذرے ہیں سب نے وفات پائی۔ اس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اس کے بعد بادیہ نشین اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی حالت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کا انتقال ہو چکا ہے اور بعض جھوٹے مدعی نبوت کے پیدا ہو گئے ہیں اور بعضوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور رنگ بدل گیا ہے۔ ایسی حالت میں اور اس مصیبت میں میرا باپ آنحضرت صلعم کا خلیفہ اور جانشین ہوا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے۔ تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ اب غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی تھی اور صدیقؓ نے ہی دکھائی۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اس خطرہ کو سنبھال سکتا۔ تمام صحابہؓ اس وقت موجود تھے۔ کسی نے نہ کہا کہ میرا حق ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ آگ لگ چکی ہے۔ اس آگ میں کون پڑے۔ حضرت عمرؓ نے اس حالت میں ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ یہ اُن کا صدق ہی تھا۔ کہ اس فتنہ کو فرو کیا اور ان موذیوں کو ہلاک کیا۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھا۔ اور اس کے مسائل اباحت کے مسائل تھے۔ لوگ اس کی اباحتی باتوں کو دیکھ دیکھ کر اُس کے مذہب میں شامل ہوتے جاتے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی معیّت کا ثبوت دیا۔ اور ساری مشکلات کو آسان کر دیا۔

خونِ مسیحؑ پر ایمان لانا بھی سہل بنا ہوا ہے کیونکہ اس پر ایمان لانے سے ایک تو روٹی مل جاتی ہے دوسرے اباحت کی زندگی۔ اسلام میں قو اللہ اکبر کی آواز سے ہی نماز

[1] آل عمران: ۱۴۵

کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا۔ مگر اب یہ حال کہ خونِ مسیحؑ پر ایمان لاکر رات کو شراب پی کر سو گئے۔ اور جب جی چاہا اُٹھے۔ کوئی باز پُرس نہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں کا رجوع عیسائیت کی طرف ہونا لازمی امر ہے۔ لوگوں کی حالت کچھ اس قسم کی ہو گئی ہے کہ کہتے ہیں۔ ایہہ جہان مِٹھا اگلا کِس ڈِٹھا۔ اس جہان میں بدمعاشیاں کر لو۔ آگے دیکھا جائیگا۔ اِس قسم کے لوگ روٹی، بے قیدی اور آرام کی زندگی عیسائیت ہی میں پا سکتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی ضروری امر نہیں۔ خواہ دس برس تک بھی غُسلِ جنابت نہ کریں۔ پس ان لوگوں کو جو عیسائی ہوئے ہیں۔ دیکھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ دہریہ منش جو مرتد ہوئے ہیں اگر عیسائی نہ ہوتے تو باطنی طور پر بھی تو مرتد ہی تھے۔

چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں

چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک اَزلی کافر جو بے قیدی اور اباحت کی زندگی کو چاہتے ہیں۔ اور تین قسم کے مومن۔ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ۔ مُقْتَصِدٌ۔ سَابِقٌ بِالْخَیْرَات۔ پہلی قسم کے مومن وہ ہیں جو ظالم ہیں یعنی ان پر کچھ جذباتِ نفس غالب آجاتے ہیں۔ دوسرے میانہ رو اور تیسرے خیرِ مجسم۔ اب ازلی کافر جو نفس کے غلام اور بندے ہیں۔ جن کی غرض و غایت بجز اِس کے اَور کچھ نہیں کہ بے قیدی کی زندگی بسر ہو۔ اور روپیہ بھی برباد ہو۔ اُن کو اسلام سے کیا مناسبت، وُہ تو عیسائیت کو پسند کریں گے کہ تنخواہ مل جائے اور کسی چیز کی ضرورت نہ رہے۔ اگر جائیں گے، تو وہاں بھی محض اس غرض سے کہ صدہا خوبصُورت عورتیں اچھے لباس پہن کر جاتی ہیں۔ وہاں بدنظری کے لئے جا بیٹھے غرض اس قسم کی اباحتی زندگی والوں کو اسلام سے کوئی مناسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت ابوبکرؓ اسلام کے آدم ثانی ہیں

اُس زمانہ میں بھی مسیلمہ نے اباحتی رنگ میں لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ ایسے وقت میں حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ تو انسان خیال کر سکتا ہے کہ کس قدر مُشکلات پیدا ہوئی

ہوں گی۔ اگر وُہ قوی دِل نہ ہوتا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا رنگ اُس کے ایمان میں نہ ہوتا۔ تو بہت ہی مشکل پڑتی اور گھبرا جاتا۔ لیکن صدیقؓ نبی کا ہمسایہ تھا۔ آپؐ کے اخلاق کا اثر اس پر پڑا ہوا تھا اور دل نورِ یقین سے بھرا ہوا تھا۔ اس لئے وُہ شجاعت اور استقلال دکھایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُس کی نظیر مِلنی مشکل ہے۔ اُن کی زندگی اِسلام کی زندگی تھی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر کسی لمبی بحث کی حاجت ہی نہیں۔ اُس زمانہ کے حالات پڑھ لو۔ اور پھر جو اسلام کی خدمت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ اس کا اندازہ کر لو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ اس اسلام کے لئے آدم ثانی ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد ابوبکرؓ کا وجود نہ ہوتا تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابوبکر صدیقؓ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔ اپنی قوت ایمانی سے کُل باغیوں کو سزا دی۔ اور امن کو قائم کر دیا۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا اور وعدہ کیا تھا۔ کہ مَیں سچے خلیفہ پر امن کو قائم کروں گا۔ یہ پیشگوئی حضرت صدیقؓ کی خلافت پر پوری ہوئی اور آسمان نے اور زمین نے عملی طور پر شہادت دیدی۔ پس یہ صدیق کی تعریف ہے کہ اُس میں صِدق اس مرتبہ اور کمال کا ہونا چاہیئے۔ نظائر سے مسائل بہت جلد حل ہو جاتے ہیں۔

یوسفؑ صدیق

اگر گذشتہ زمانہ میں اس کی نظیر دیکھی جائے تو پھر یوسفؑ صدیق ہے۔ جس نے ایسا صدق دکھایا کہ یوسفؑ صدیق کہلایا۔ ایک خوبصورت معزّز اور جوان عورت جو بڑے بڑے دعوے کرتی ہے۔ عین تنہائی اور تخلیہ میں ارتکاب فعل بد چاہتی ہے۔ لیکن آفرین ہے اس صدیقؑ پر کہ خدا تعالےٰ کے حدُود کو توڑنا پسند نہ کیا۔ اور اس کے بالمقابل ہر قسم کی آفت اور دُکھ اُٹھانے کو آمادہ ہو گیا۔ یہانتک کہ قیدی کی زندگی بسر کرنی منظور کر لی۔ چنانچہ کہا۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ[1] یعنی یوسف ۴

[1] یوسف: ۳۴

نے دُعا کی۔ کہ اَے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف وُہ مجھے بلاتی ہے۔ اس سے حضرت یوسفؑ کی پاک فِطرت اور غیرت نبوّت کا کیسا پتہ لگتا ہے کہ دوسرے امر کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا مطلب کہ اُس کا نام نہیں لیا۔ یوسفؑ اللہ تعالےٰ کے حُسن و احسان کے گرویدہ اور عاشق زار تھے۔ اُن کی نظر میں اپنے محبُوب کے سوا دوسری کوئی بات جچ نہ سکتی تھی وہ ہرگز پسند نہ کرتے تھے کہ حدودُ اللہ کو توڑیں ؂

کہتے ہیں کہ ایک لمبا زمانہ جو بارہ برس کے قریب بتایا جاتا ہے وہ جیل میں رہے۔ لیکن اس عرصہ میں کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ اللہ تعالےٰ اور اُس کی تقدیر پر پورے راضی رہے۔ اس عرصہ میں بادشاہ کو کوئی عرضی بھی نہیں دی۔ کہ اُن کے معاملہ کو سوچا جائے یا اُنہیں رہائی دی جائے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس خود غرض عورت نے تکالیف کا سِلسِلہ بڑھا دیا۔ کہ کسی طرح پر وُہ پھسل جاویں۔ مگر اس صدّیق نے اپنا صِدق نہ چھوڑا خدا نے ان کو صدّیق ٹھہرایا۔ یہ بھی صِدق کا ایک مقام ہے۔ کہ دُنیا کی کوئی آفت، کوئی تکلیف اور کوئی ذلّت اُسے حُدودُ اللہ کے توڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ جس قدر بلائیں بڑھتی جاویں وہ اُس کے مقام صدق کو زیادہ مضبوط اور لذیذ بناتی جاتی ہیں ؂

خلاصہ یہ کہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ جب انسان اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہکر صدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اُٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آ کر گرتی ہے۔ اور اُسے صِدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے بضاعۃ مزجاۃ لاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی گرانقدر جنس اُسے عطا کرتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہانتک قدم مارتا ہے کہ وُہ صدق اس کیلئے ایک خارق عادت نشان ہو جاتا ہے۔ اس پر اس قدر معارف اور حقایق کا دریا کھلتا ہے یعنی قوّت دیجاتی ہے۔ کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے ؂

تیسرا کمال شُہداء کا ہے

تیسرا کمال شُہَدَاء کا ہے۔ عام لوگ تو شہید کیلئے اِتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ